ترکی میں اسلام اور سیکولرازم کی کشمکش

(حالیہ انقلاب سے پہلے تک)

جناب خلیل احمد حامدی صاحب

(۲)

اسلامی تحریک نئے دور میں

میں اسی دور کو ترکی کی اسلامی تحریک کا اصل دورِ ولادت کہتا ہوں۔ پہلے اسلامی تحریک فکر و نظر اور چند ظاہری اعمال تک محدود تھی۔ اب وہ فکر اور تنظیم دونوں لحاظ سے جامع صورت اختیار کرنے لگ گئی۔ پریس کے جدید قوانین سے جس طرح لیساری عنصر نے فائدہ اٹھایا اُسی طرح اسلامی عناصر نے بھی ان سے زیادہ پختگی اور گہرائی کے ساتھ فائدہ اُٹھایا۔ آزادیٔ نشر و اشاعت کی تلوار فراہم تو اسلام کی بیخ کنی کے لیے کی گئی تھی۔ مگر اسلامی عناصر نے بڑی حکمت و دانشمندی کے ساتھ اُسے خود اسلام کے حق میں استعمال کر لیا۔ اِسی دور میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ، حسن البنا شہید، سیّد قطب شہید اور دیگر تحریکی مصنّفین کا لٹریچر ترکی زبان میں منتقل ہونا شروع ہوا۔ بلکہ اس قدر تیزی سے پھیلا کہ جنگل کی آگ ثابت ہوا۔ سعید نورسی کے اثرات، عدنان مندریس کی اسلامی خدمات اور اب تحریک اسلامی کے ٹھوس لٹریچر نے مل کر ترکی کے اندر نئی اسلامی نسل کی داغ بیل ڈال دی۔ ترکی طلباء کے اندر اس لٹریچر کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ بائیں بازو کے نظریات کا توڑ کرنے کے لیے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور سید قطب کی کتابوں نے نوجوان طلباء کو کارگر اسلحہ فراہم کر دیا — یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں ہر جگہ ایک سخت کشمکش چھڑ گئی۔ اس کشمکش میں اسلام پسند طلباء کا پلڑا بھاری ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ترکی کی سٹوڈنٹس یونین (ایم۔ ٹی۔ ٹی۔ یی) جو ملحد اور اشتراکی طلباء

کے قبضے میں تھی۔ آخر کار اس پر بھی اسلام پسند طلبا نے غلبہ حاصل کر لیا۔ ۱۹۶۴ء کے بعد اسلامی تحریک میں خاصی نشوونما ہونے لگی۔ اسلامی تعلیم کے اعلیٰ ادارے مزید قائم ہونے لگے۔ اسی زمانے میں الٰہیات کالج کا قیام عمل میں آیا۔ مدارسِ ائمہ وخطبا، کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ یہ سب عوام الناس کے سیاسی دباؤ، اخلاقی تعاون اور مالی مدد کے ساتھ ہوا۔ ان تعلیمی اداروں میں سے تقریباً ۵ لاکھ نوجوان ایسے نکلے جو جدید اسلامی رُوح اور تحریکی نظریات سے خوب بہرہ مند تھے اور جو آئندہ اُٹھنے والی اسلامی لہر کے لیے ہراول دستہ بن گئے۔

سیاسی زندگی کی بحالی اور عدالت پارٹی کا ظہور فوج نے ملک کے اندر سیاسی سرگرمیوں کی اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ ڈیموکریٹک پارٹی کو بحال نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس کے بجائے ایک اور پارٹی وجود میں آگئی۔ یہ تھی عدالت پارٹی ـــ ڈیموکریٹک پارٹی کے لوگوں کی اکثریت اس نئی پارٹی سے وابستہ ہوگئی ـــ عدالت پارٹی فروری ۱۹۶۱ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس کے بانی راغب گوموش تھے۔ ان کی وفات کے بعد اس کی قیادت سلیمان ڈیمریل کے ہاتھ آگئی۔ کمال پاشا کی ری پبلکن پارٹی کے مقابلے میں اس نئی پارٹی کو ترقی اور کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ بھی مقبولیت حاصل کرنے کے لیے ڈیموکریٹک پارٹی کی طرح عوام کے اسلامی جذبات کو اپیل کرے۔ مگر ایک نئے اسلوب کے ساتھ تاکہ اس انجام سے دوچار نہ ہو جائے جو ڈیموکریٹک پارٹی کا ہوا۔ چنانچہ سلیمان ڈیمریل اور اس کے ساتھی ایک حد سے آگے اسلام کا نام نہیں لینا چاہتے تھے، لیکن رائے عامہ کے دباؤ نے اُسے اسلامی خطوط کی طرف مائل ہونے پر مجبور کر دیا۔ سلیمان ڈیمریل لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے مسجدوں میں جاکر نمازیں پڑھنے لگے، اس کا اثر یہ ہوا کہ ۱۹۶۵ء کے عام انتخابات میں عدالت پارٹی کو ۴۵۰ نشستوں میں سے ۲۴۳ نشستیں حاصل ہوگئیں۔ ڈیمریل نے کامیاب ہونے کے بعد مدارسِ ائمہ وخطبا کی تعداد ۲۰ تک بڑھا دی۔ اور حفظِ قرآن کی مکاتب کی تعداد میں بھی غیر معمولی حد تک اضافہ کر دیا۔ - - - - - - - - - - -

عرب ممالک کی طرف بھی اس کا میلان شروع ہوا۔ گو وہ برابر یہ بیان دیتا رہا کہ اسلام اور کمال ازم میں تضاد نہیں ہے۔ سلیمان ڈیمریل کا سب سے اہم فیصلہ وہ تھا جس کی رُو سے اُس نے ۱۹۶۹ء میں رباط میں مسلم سربراہوں کی کانفرنس میں شرکت کا فیصلہ کیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ترک نمائندے عربوں کے ساتھ ایک کانفرنس میں بھائی بھائی بن کر بیٹھے۔ ترکی کے نامور لادین اخبار جمہوریت کے نمائندے نے

سلیمان دیمریل سے یہ سوال کیا کہ ترکی ایک سیکولر اسٹیٹ ہے وہ رباط کی اسلامی سربراہی کانفرنس میں کیوں شریک ہو رہا ہے۔ کیا یہ کمال ازم سے بغاوت ہے؟ سلیمان دیمریل نے جواب میں کہا کہ "بیت المقدس کی اہمیت ترکوں کے لیے دوسری کسی بھی قوم سے زیادہ ہے" فرانس کے اخبار نے اسلامی کانفرنس میں ترکی کی شمولیت پر ایک مضمون شائع کیا، جس کا عنوان تھا "مردہ انسان بیدار ہو گیا ہے" چنانچہ اس کے بعد ترکی کے اندر دینی بیداری کے خلاف عالمی پیمانے پر پروپیگنڈا شروع ہو گیا۔ اس پروپیگنڈے کی قیادت استنبول کے روزنامے **ملت** کا یہودی ایڈیٹر سامی کوہین کر رہا تھا۔

پھر فوجی انقلاب

فوج حسب عادت پھر حرکت میں آگئی۔ فوج نے ترکی ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا محاصرہ کر لیا۔ مارچ ۱۹۷۱ء میں سلیمان دیمریل کی حکومت برخاست کر دی گئی۔ فوجی جرنیلوں نے ترکی ریڈیو سے یہ وارننگ نشر کی:۔

"پارلیمنٹ اور حکومت دونوں نے جمہوریہ ترکیہ کے مستقبل کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ ان دونوں اداروں نے ملک کو انتشار، خانہ جنگی اور معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی بے چینی میں مبتلا کر دیا ہے۔ ترکی قوم کی یہ اُمیدیں ختم کی جا رہی ہیں کہ ترکی جدید تہذیب کے معیار پر پورا اُترے یعنی اُس مقصد کو پورا کرے جو کمال اتاترک نے وضع کیا تھا۔"

اِدھر ۱۹۶۹ء میں مسلم طلبا کی یونین اور دیگر متفرق اسلامی تنظیموں کے اندر مزید ہم آہنگی پیدا ہو گئی اور انہوں نے باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی جو ہمہ گیر پیمانے پر اسلامی جدوجہد کی ذمہ داری اپنانے اور اسلام کی کھُلم کھُلا دعوت دینے اور روایتی پارٹیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔

ملی نظام پارٹی کا قیام

۱۹۶۵ء کے انتخابات میں نجم الدین اربکان نے بھی حصہ لیا اور وہ اور ان کے چند ساتھی پارلیمنٹ میں پہنچ گئے۔ نجم الدین اربکان استنبول یونیورسٹی میں انجینئرنگ کالج میں ریاضیات کے پروفیسر تھے۔ وہ دینی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کی اپنی تربیت بھی روحانیت پسند ماحول میں ہوئی ہے۔ پارلیمنٹ میں پہنچنے کے بعد انہوں نے اپنے تین ساتھیوں سمیت ترکی کے اندر پہلی باقاعدہ اسلامی پارٹی کی داغ بیل ڈال دی۔ اس کا نام ملی نظام پارٹی رکھا گیا۔ ایک عوامی جلسے کے اندر پہلی مرتبہ نجم الدین اربکان نے اپنی تقریر کا آغاز اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ سے کیا۔ کسی پارٹی کے سربراہ کی طرف سے پہلی مرتبہ یہ الفاظ استعمال کیے گئے۔ کیونکہ ان الفاظ کا استعمال قانوناً

ممنوع تھا۔ یہ نومولود اسلامی پارٹی گو مادی وسائل کے لحاظ سے نہایت فقیر تھی۔ لیکن ترک عوام کے اندر اُسے مقبولیت حاصل ہونے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ صیہونی، فری میسن اور مغربی ذرائع ابلاغ نے اس کے خلاف نہایت بھونڈا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ یہ پارٹی جب کسی علاقے میں اپنی کوئی شاخ قائم کرتی تو علاقے کا حاکم اس کی مخالفت کرتا۔ اس پہ الزام صرف یہ تھا کہ یہ سیکولرازم کے خلاف ہے، اور ملک میں دوبارہ اسلامی شریعت کا نفاذ چاہتی ہے۔

ملی نظام پر پابندی اور مقدمات ملی نظام پارٹی نے ۱۲ مارچ ۱۹۷۱ء کو انقرہ میں اپنی پہلی کانفرنس منعقد کی۔ اس کانفرنس میں نوجوانوں نے اسلامی شریعت اور اسلامی نظام کے احیاء کے حق میں نعرے لگائے۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں بھی قرآن کریم کو اپنا دستور ثابت کیا۔ اس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ اُسی رات حکومت کی طرف سے ایک آرڈی ننس جاری ہوا جس کے ذریعے یہ پارٹی توڑ دی گئی، اور اس کے ارکان گرفتار کر لیے گئے۔ اور مملکت کے خلاف بغاوت کے الزام میں پبلک سیکورٹی کورٹ میں اُن کے خلاف مقدمات دائر کر دیئے گئے۔ پھر اسی مہینے میں جیسا کہ اُوپر گذر چکا ہے فوج نے دخل دے کر سلیمان ڈیمرل کی حکومت توڑ ڈالی۔ فوج کے بیان کے موجب سلیمان ڈیمرل کی حکومت کے دوران ملک کے اندر بدامنی بڑھ گئی اور ملک کمال ازم سے دُور ہٹنے لگ گیا۔

توازن قائم رکھنے کے لیے فوجی حکومت نے کمیونسٹوں کی پارٹی حزب العمال بھی توڑ دی۔ مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ اور ملک آہنی پنجرے کے اندر مقید ہو گیا۔ اسلامی تحریک یعنی ملی نظام نے پارٹی کے ارکان پر مقدمات چلانے کے لیے فوجی عدالتیں تشکیل دی گئیں۔ دکھانے کے لیے حزب العمال کے افراد پر بھی مقدمات قائم کیے گئے مگر قدرتِ خداوندی نے اس موقع پر بھی اسلامی تحریک کے لیے اس تاریکی کے اندر سے روشنی کا پہلو اجاگر کر دیا۔

حزب العمال کے لوگوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو تحقیقات کے بعد فوج کو یہ معلوم ہوا کہ کمیونسٹوں کے پاس خفیہ اسلحہ کے وافر ذخائر موجود ہیں، بلکہ ایسی فہرستیں ان کے دفاتر سے دستیاب ہوئیں جن میں کئی فوجی جرنیلوں کے نام تھے جنہیں وہ موت کے گھاٹ اُتارنا چاہتے تھے یا اُن کے بیوی بچوں کو اغوا کرنا چاہتے تھے۔ نیز یہ بھی منکشف ہوا کہ کمیونسٹ بیرونی مدد کے بل بوتے پر ترکی کے اندر ایک خفیہ "آزاد فوج" قائم کر رہے ہیں۔ یوں بائیں بازو کے عناصر خود ہی پھندے میں آ گئے۔ اُن کو یہ توقع نہ تھی

کہ وہ فوج جس نے اُن کے لیے خود راستے ہموار کیے ہیں اور اسلامی شعور کے مقابلے میں مارکس ازم کی اشاعت کا انہیں موقع دیا، انہیں بھی کوئی ضرب لگائے گی۔ لیکن اب کمیونسٹ فوج کی گرفت میں آ گئے اور فوج کو اسلام پسندوں کے بجائے سب سے زیادہ خدشات خود کمیونسٹوں سے لاحق ہو گئے۔

دوسری طرف ملی نظام پارٹی کے قبضے سے کچھ بھی دستیاب نہ ہوا۔ اگر اُن کے گھروں سے کچھ ملا تو وہ صرف اسلامی لٹریچر تھا۔ مزید برآں اُس میں سے خیر کا یہ پہلو بھی برآمد ہوا کہ مقدمات کے ضمن میں ملی نظام کے ارکان کو عوام الناس سے ملنے اور وکلا اور ججوں اور پولیس کے افسروں سے رابطہ و ربط قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ ان لوگوں نے ملی نظام کے لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ ان کے ذاتی حالات اور کردار سے آگاہ ہوتے اور اُن پر یہ بات خوب کھل گئی کہ کس حد تک یہ لوگ محب وطن اور ترک عوام کے خیر خواہ ہیں۔ عوام الناس بھی مقدمات کی کارروائیوں کو بڑے شوق سے سن رہے تھے۔ یہ مقدمات بڑے مبارک ثابت ہوتے ان کے ذریعے سے اسلام کی آواز خود فوج کے افسروں تک پہنچی۔ یہاں تک کہ بعض فوجی افسران یہ کہتے سنے گئے کہ "کاش اُن کی اولاد بھی ایسے ہی کردار کی مالک ہوتی جو ملی نظام پارٹی کے کارکنوں کے اندر پایا جاتا ہے"۔ جج بھی ان کارکنوں سے متاثر ہوتے۔

ملی نظام کے بعد ملی سلامت پارٹی

یہ ہم پیچھے عرض کر چکے ہیں کہ معاہدہ اطلانتک میں ترکی کا رکن ہونا اس امر کا متقاضی ہے کہ ترکی میں سیاسی پارٹیوں کا نظام قائم رہے، مگر ان پارٹیوں کے اندر کوئی ایسی پارٹی نہ ہونی چاہیے جو ترک کو مغرب اور لادینیت کے گود سے نکال کر کسی اور راستے پر ڈال دے۔ ترکی فوج خود اس حکمت عملی کی حفاظت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بار بار سیاسی زندگی میں دخل دیتی رہتی ہے۔ چنانچہ دیمریل کی حکومت کے خاتمے کے بعد فوج پھر سیاسی زندگی بحال کرنے پر مجبور ہوئی اور گو اب فوجی حلقوں میں ملی نظام پارٹی کے حق میں کسی حد تک ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے لیکن فوج اپنا اصول ترک کرنے کے لیے تیار نہ ہوئی اور اس نے اس شرط پر سیاسی پارٹیوں کی بحالی کی اجازت دی کہ ملی نظام پارٹی کو دوبارہ زندہ نہ کیا جائے۔

ملی نظام پارٹی کے لوگوں نے بھی دانشمندی کا ثبوت دیا اور انہوں نے اس قانون کا احترام کیا اور ملی نظام کی بجائے ایک نئی پارٹی قائم کر دی۔ یعنی ملی سلامت پارٹی۔ اس پارٹی کی قیادت، کارکن اور اغراض و مقاصد وہی قرار دیئے، جو ملی نظام پارٹی کے تھے۔ ۱۱؍ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو ملی سلامت پارٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔

پارٹی کے قیام کے ایک سال بعد ۱۹۷۳ء میں ترکی میں عام انتخابات منعقد ہوئے - ملی سلامت پارٹی نے ۴۹ نشستیں جیت لیں اور ترکی کی تیسری بڑی پارٹی بن گئی - بلکہ توازنِ اقتدار اس کے ہاتھ میں آگیا - ری پبلکن پیپلز پارٹی اور عدالت پارٹی دونوں میں سے کوئی اس پوزیشن میں نہ تھی کہ ملی سلامت کے اشتراک کے بغیر تنہا حکومت تشکیل دے سکتی - ملی سلامت پارٹی نے حالات کا اندازہ لگاکر ری پبلکن پیپلز پارٹی کے ساتھ مل کر کولیشن گورنمنٹ کی تجویز منظور کرلی - ملی سلامت پارٹی کی طرف سے اس کولیشن کے لیے جو شرائط پیش کی گئیں ان میں سے چند ایک یہ تھیں :-

۱- اسکولوں کے اندر اخلاقی تعلیم دی جائے گی - اخلاقی تعلیم سے مراد ہے اسلامی تعلیم - لیکن ری پبلکن پیپلز پارٹی کے حلق سے " اسلام " کا لفظ اترنا مشکل ہوگیا - اور اس پر کئی بار مشترکہ حکومت قائم کرنے کے سلسلے میں ہونے والے مذاکرات بحران کا شکار ہوئے - آخر کار منشور کے اندر " اسلام " کے بجائے " اخلاق " کا لفظ لکھ دیا گیا -

۲- عالم اسلام اور علی الخصوص عرب ممالک کے ساتھ تعلقات قائم کیے جائیں گے -

۳- اسلامی کانفرنسوں میں ترکی کا نمائندہ مبصر کی حیثیت سے نہیں بلکہ رکن کی حیثیت سے شریک ہوگا اور اپنا ووٹ استعمال کرے گا -

ملی سلامت پارٹی نے مسئلہ فلسطین کی حمایت بھی کی - اور اسرائیل کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے کا مطالبہ کیا -

اسی دور میں عصمت انونو دنیا سے رخصت ہوئے - بستر مرگ پر موصوف نے یہ لفظ کہے تھے :-

" میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں اُسے تسلیم کرنے کو جی نہیں چاہتا - ترکوں کے دلوں سے اسلام کو نکالنے اور اُس کی جگہ مغربی تہذیب کاشت کرنے میں ہم نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا - لیکن اس کے نتائج ہماری توقع کے بالکل برعکس نکلے - بیج ہم نے لادینیت کا بویا تھا مگر اس کا پھل اسلام کی شکل میں ظاہر ہوا "

۱۹۷۷ء کے انتخابات میں ملی سلامت پارٹی کو صرف ۲۴ نشستیں ملیں - اس کی وجہ عوامی مقبولیت کی کمی نہ تھی - بلکہ پورا مغربی پریس اس کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ گیا - انتخابی مہم چلانے کے لیے بھی وقت بہت کم دیا گیا - انتخابی حلقوں کی ترتیب میں بھی دھاندلی کی گئی - نیز سعید نورسی رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار

دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ عدالت پارٹی کے ساتھ جا ملا اور قلیل تعداد ملی سلامت کے ساتھ رہ گئی۔ اس سب کے باوجود ترک عوام کے اندر اسلامی تحریک جس کی قیادت سلامت پارٹی کر رہی تھی پیش قدمی کرتی گئی۔ ترکی میں اسلام کی پیش رفت کی موجودہ تصویر مندرجہ ذیل اعداد و شمار میں کسی حد تک دیکھی جا سکتی ہے۔

ملی سلامت کے دور کی اسلامی اصلاحات ۱۹۵۰ء میں جب پہلی مرتبہ ڈیموکریٹک پارٹی عدنان مندریس کی قیادت میں کامیاب ہوئی تو چند معمولی اسلامی اصلاحات نافذ کی گئیں۔ ۱۹۵۱ء میں سات صوبوں میں ثانوی درجے کے چند مدارسِ ائمہ و خطبا کھولے گئے۔ استنبول میں اعلیٰ اسلامی تعلیم کا ایک انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا، اور پھر انقرہ میں ایک الٰہیات کالج کھولا گیا۔ سلیمان دیمریل کے دور میں ائمہ و خطبا کے مدارس کی تعداد ۱۵۰ ہو گئی۔ لیکن ملی سلامت پارٹی کے وجود میں آنے کے بعد یہ اعداد و شمار اس حد تک بڑھ گئے کہ جنرل ایورین کنعان اور اس کے چند ساتھیوں نے پھر محسوس کر لیا کہ لادینیت کا قصر منہدم ہونے کے قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حسبِ معمول پھر سیاسی زندگی ختم کر کے فوج کی حکمرانی قائم کر دی ہے۔ اُن کو اسلام کی پیش قدمی کے جو اثرات ورثے میں ملے ہیں وہ یہ ہیں:۔

وہ ادارے جو براہ راست محکمہ امور مذہبی کے تحت ہیں (اور یہ محکمہ وزیر اعظم یا صدر کی نگرانی میں کام کرتا ہے) یہ ہیں:۔

۱۔ حفظِ قرآن کے مدرسے ۔ ۲۳۸۵

۲۔ ان مدرسوں میں تعلیم پانے والے طلباء ۳۰۸۹۸ لڑکے اور ۲۴۸۹۸ لڑکیاں۔

۳۔ ان میں معلّمین اور معلّمات کی تعداد ۱۷۰۰

۴۔ انسپکٹروں کی تعداد ۔ ۶۱۴

۵۔ واعظین کی تعداد ۔ ۵۶۳

۶۔ مسجدوں کی تعداد ۔ ۳۳۰۰۰

۷۔ ائمہ اور موذنین کی تعداد ۔ ۴۴۴۶۳

وزارتِ تعلیم کے تحت چلنے والے ادارے یہ ہیں:۔

۱۔ ائمہ و خطباء کے اسکول (ثانوی معیار کے) ۳۴۰

۲ ـــ ان میں تعلیم پانے والے = ۱۶۱۳۷۶ لڑکے ۱۲۶۳۸ لڑکیاں۔

۳ ـــ اعلیٰ اسلامی تعلیم کے ادارے = ۸

۴ ـــ ان اداروں میں تعلیم پانے والے = ۶۲۴۰

۵ ـــ انقرہ کا الٰہیات کالج اور ارضروم کا کلیۃ العلوم الاسلامیہ۔

۶ ستمبر ۱۹۸۰ء کو ترکی کی ملی سلامت پارٹی نے قونیہ میں بہت بڑا اجتماع کیا جسے ترکی میں شوکتِ اسلام کا مظاہرہ کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایک ہی ہفتہ بعد ۱۲ ستمبر ۱۹۸۰ء کو ترکی میں مارشل لا لگادیا گیا۔ اور اب ترکی میں اسلام پر مقدمہ چل رہا ہے۔ اور استغاثہ کا ملی سلامت پارٹی کے اکابر وارکان کے خلاف الزام یہ ہے کہ یہ پارٹی اسلامی شریعت کا نفاذ چاہتی ہے۔

دوسری طرف اسلام کی تحریک ترکی کی نئی نسل کے اندر اس حد تک سرایت کرچکی ہے کہ اب مارشل لا، سنگین مقدمات اور تشدد اور دباؤ سے بوجھل ماحول کے باوجود نوجوان قوتوں میں بڑا ایمانی جذبہ ہے۔ ترکی کی نئی نسل سے اسلام کی وابستگی کی صرف ایک مثال ملاحظہ ہو۔ موجودہ مارشل لاء کی حکومت نے یہ احکام جاری کیے ہیں کہ عورتیں پردہ استعمال نہیں کرسکتیں اور خاص طور پر طالبات کو پردہ اوڑھ کر یونیورسٹیوں اور کالجوں میں آنے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے جواب میں سینکڑوں طالبات اور اُن کے والدین نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے۔ بحوالہ: المجتمع۔ کویت۔ ۵ مئی ۱۹۸۱ء

استدراک

مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۸۱ء کو پروفیسر اربکان اور اُن کے ۹ ساتھیوں کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے بالاقساط ان کے ۴۲ دوسرے ساتھی ملزموں کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ زیادہ تر داخلی اور کسی قدر خارجی حالات کے تحت مصلحتاً یہ کارروائی کی گئی ہے۔ مگر غالباً پالیسی یہ ہے کہ مقدمے کو طول دیا جائے اور پھر قید کی سزا ایسی دے کر "ملزمین" کو انتخابی سیاست پر اثر انداز ہونے سے روکا جائے۔

(ادارہ)